روزنامہ راشٹریہ سہارا
لکھنؤ، 14 / اگست، 2022 اتوار

> پاکیزہ ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن امل کے والد کا ذکر کرنے پر وہ جانے کے لیے راضی ہو گئی۔ اور جب پاکیزہ گھر پہنچی تو امل نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ اسے کمرے میں جانے کے لیے کہا تو پاکیزہ نے پوچھا، ’وہاں تمہارے بابا ہیں؟‘ امل مسکرانے لگی۔ اسی دوران عادل، پاکیزہ کے پاس آگیا۔

افسانہ

انجام

ارشاد انصاری

ہم جب کسی کے لیے گڑھا کھودتے ہیں تو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس گڑھے میں ہم خود بھی گر سکتے ہیں۔‘ پاکیزہ نے امل کی طرف دیکھ کر کہا، ’میں نے تمہیں اپنی سہیلی نہیں بہن سمجھا تھا لیکن تم نے مجھے یہ بتا دیا کہ میں نے تم پر اعتبار کر کے غلط کیا... میری سب سے بہترین دوست نے مجھے کہا بھی تھا، ”نئے دوست بنانے سے پہلے سوچنا۔“ لیکن میں یہ سمجھی تھی جس سے ایک بار دل سے رشتہ قائم ہو جائے تو پھر تا حیات اس کو نبھانا ہوتا ہے۔‘

امل، پاکیزہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

پاکیزہ کو غصہ آ گیا۔ امل کی طرف دیکھ کر اس نے کہا، ’آج تم نے میرے ساتھ جو کیا، کل تمہارے سامنے ضرور آئے گا۔‘ اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑی۔ وہ سارے راستے روتی رہی۔ اسے دکھ اس بات کا تھا کہ امل کو دوست بنانے کی بھول اس سے کیسے ہو گئی۔

پاکیزہ نے بی اے کے بعد سلائی سینٹر میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہیں اس کی دوستی امل سے ہوئی تھی۔

امل والد کے ساتھ رہتی تھی جبکہ پاکیزہ ماں کے ساتھ۔ دونوں کے بہن بھائی نہیں تھے۔ وہ رشتوں کی کمی محسوس کرتی تھیں۔ اسی لیے جلد ہی دونوں کی دوستی مضبوط ہو گئی۔ وہ اکثر اکٹھے کام کرتیں اور تمام کلاسز لینے کے بعد اکٹھے ہی سینٹر سے نکلتیں۔

پاکیزہ خوش مزاج لڑکی تھی جبکہ امل تنک مزاج، بات بات پر لڑنے والی۔ پاکیزہ اسے اکثر سمجھایا کرتی لیکن وہ اسے بھی ڈانٹ دیتی۔ پاکیزہ یہ سوچ کر چپ ہو جایا کرتی تھی کہ وہ اس کی دوست ہے۔ اس نے ایک اچھی لڑکی سمجھ کر امل سے دوستی کی تھی لیکن امل کی اس سے دوستی کی وجہ کوئی غرض تھی۔ دراصل کپڑوں کی کٹنگ میں اسے دقت پیش آ رہی تھی۔ اسی لیے اس نے یہ سوچا تھا کہ جاتے ہوئے پاکیزہ کو اپنے گھر پر ایک گھنٹے کے لیے روک لیا کرے گی اور اس کی سمجھ میں جو چیز نہیں آتی، سیکھ لیا کرے گی۔

پچھلے دو ماہ سے پاکیزہ ماں کی اجازت سے امل کے گھر جا رہی تھی تاکہ بہن جیسی دوست کی مشکل دور کر سکے لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ امل محض اسے پھنسانے کے لیے گھر بلاتی ہے۔ اس کا کزن گزشتہ ایک ہفتے سے ٹھیک اس وقت اس کے گھر آتا جب پاکیزہ وہاں پہنچا کرتی تھی یا وہ اسے کچھ بتا رہی ہوتی تو وہ آ جاتا۔

پاکیزہ نے کئی بار کہا، اس کے بابا گھر پر نہیں ہوتے تو وہ کزن کو آنے سے منع کر دے لیکن امل نے یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا، ’یہ میرے بھائی جیسا ہے... میں اسے کیسے منع کر سکتی ہوں۔‘

ادھر کے دنوں میں پاکیزہ نے نوٹس کیا تھا کہ امل کا کزن عادل اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اس وقت وہ یہ کوشش کرتی کہ امل کا کام جتنی جلدی ہو سکے ختم ہو جائے تاکہ وہ گھر چلی جائے۔

آج جب وہ جانے لگی تو عادل نے حد ہی کر دی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، ’تم بہت اچھی لگتی ہو.... تمہارا مجھے نظرانداز کرنا بہت برا لگتا ہے۔‘

پاکیزہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا مگر عادل اپنی بات کہتا رہا۔ غصے سے بپھرتے ہوئے پاکیزہ نے اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

عادل نے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔ مارے غصے کے وہ بولا، ’میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔‘

پاکیزہ دوڑتے ہوئے امل کے پاس گئی جو کچن میں کچھ بنانے چلی گئی تھی۔ اس کی پوری بات سن کر امل نے کہا، ’تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے.... میرا کزن ایسا نہیں۔‘

پاکیزہ حیرت سے اس کا منہ تکتی رہ گئی۔ اس کے بعد اسے جو سنانا تھا، اس نے سنایا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ اب کبھی اس کے گھر نہیں جائے گی۔

دوسرے دن تمام کلاسز لینے کے بعد امل نے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو پاکیزہ نے منع کر دیا۔ امل کے بہت اصرار کرنے پر بھی وہ اس کے ساتھ چلنے کے لیے راضی نہیں ہوئی۔

ایک ماہ گزر گیا تھا۔ پاکیزہ، امل کے گھر نہیں گئی تھی۔ اس نے ماں کو بتایا تھا تو اس نے بھی اسے امل کے گھر جانے سے منع کر دیا تھا۔

آج سینٹر سے دیر سے چھٹی ہوئی۔ پاکیزہ گاڑی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ امل اس کے پاس آئی۔ کہنے لگی، ’پلیز پاکیزہ، معاف کر دو.... میں تم سے دوستی ختم کرنا نہیں چاہتی۔... میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میرے بابا بھی پوچھ رہے تھے.... میں نے انہیں ساری بات بتائی تو کہنے لگے، اپنی سہیلی کو گھر بلاؤ.... میں اس کی غلط فہمی دور کروں گا۔‘

پاکیزہ ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن امل کے والد کا ذکر کرنے پر وہ جانے کے لیے راضی ہو گئی۔

اور جب پاکیزہ گھر پہنچی تو امل نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ اسے کمرے میں جانے کے لیے کہا تو پاکیزہ نے پوچھا، ’وہاں تمہارے بابا ہیں؟‘

امل مسکرانے لگی۔ اسی دوران عادل، پاکیزہ کے پاس آ گیا۔

وہ اسے بازو سے پکڑ کر کہنے لگا، ’آج تم مجھ سے نہیں بچ سکتی!‘

پاکیزہ نے امل سے منت کی کہ اسے عادل سے بچائے لیکن وہ تو جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔ آخر حالات کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس نے عادل کے ہاتھ پر زور سے کاٹ لیا۔ اس پر سے عادل کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ تیزی سے چٹخنی کھولتے ہوئے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے جذبات برانگیختہ تھے۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے وہ گھر پہنچی۔

اس دن کے بعد پاکیزہ نے امل سے دوستی ختم کر دی۔ امل سے اسے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ وہ [illegible] امل کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی جبکہ وہ چاہتی تھی کہ کسی بہانے سے اس سے باتیں کرے۔

کئی دن گزر گئے مگر پاکیزہ دھوکے کو بھول نہیں پائی تھی۔

ایک دن وہ گھر میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی تو اس کی ایک سہیلی ایک اخبار لیے اس کے پاس پہنچی۔ اس میں امل کی تصویر چھپی تھی۔ [illegible] امل نے خودکشی کر لی، کیونکہ امل کو اپنی محبت کا یقین دلا کر کسی نے بلایا اور اسے بے آبرو کر دیا تھا۔

پاکیزہ خبر پڑھ کر افسردہ ہو گئی۔ ■

(سعادت گنج، بارہ بنکی)

سہارا تبصرہ

نام کتاب : **زعفران زار: وِدربھ کی منتخب نگارشات**
مرتب : **محمد اسداللہ**
صفحات : 368، قیمت: 300 روپے
ناشر : • الفاظ پبلی کیشن، بھٹانا اولی، کامٹی، ناگپور-441001
تبصرہ نگار : **محمد عمیر کوٹی**

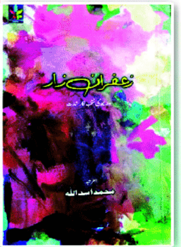

’زعفران زار: وِدربھ کی منتخب نگارشات‘ پر مشتمل مجموعہ ہے جسے محمد اسداللہ نے ترتیب دیا ہے۔ زبان و ادب میں بے شمار مجموعے نظم و نثر کی مختلف اقسام، فنون، شخصیات پر مشتمل ترتیب دیے گئے اور اہل ذوق نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بہت سے تو ایسے ہیں جن پر زمانہ گزر گیا، لیکن ان کی اہمیت و شہرت جوں کا توں برقرار ہے۔ زیرنظر مجموعہ مہاراشٹر کے مردم خیز علاقہ ودربھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس علاقے میں اس وقت گیارہ اضلاع شامل ہیں: امراوتی، ایوت محل، آکولہ، بلڈانہ، واشم، ناگپور، بھنڈارا، گونڈیا، چندرپور، گڑھ چرولی اور وردھا۔ محمد اسداللہ برصغیر میں انشائیہ نگار کے طور پر ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ بڑے اور شہرت یافتہ انشائیہ نگاروں کی موجودگی میں وہ اپنی پہچان بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس میدان میں ان کی لگن، مختلف میدان کی شخصیات کی نگارشات کو منظر عام پر لانے کی فکر اور تگ و دو قابل دید ہے۔

زیرنظر مجموعہ میں تین ابواب ہیں اور پہلا باب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز شکیل اعجاز کے پیش لفظ سے ہوتا ہے، جس میں انہوں نے صاحب کتاب کے مقام، لیاقت، جوش و جنون اور عاجزی و فروتنی کا بہت ہی فراخ دلانہ انداز میں ذکر کیا ہے، جس کی اہل فن کے یہاں نظیر کم ملتی ہے۔ اس میں انہوں نے اس پہلو پر بھی توجہ دی ہے کہ مختلف میدانوں میں امتیاز حاصل کرنے والی شخصیات کس طرح زندگی کے مختلف شعبوں میں بھاگ دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہیں اور اپنی زندگی کو اس کے لیے وقف بھی کر دیتی ہیں۔

محمد اسداللہ نے اپنے مقدمے میں سرزمین ودربھ کے حدود کی نشان دہی کر کے وہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں خاص طور پر وہاں کی مسکراہٹ و ہنسی کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ودربھ میں مزاح نگاری، نثر نگاری، شعراء کرام کی خدمات اور تفصیلات کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس میدان سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے نام گنائے ہیں۔

مجموعہ میں پہلے باب کا پہلا حصہ ’وجود زن‘ کے عنوان سے ہے۔ اس میں چار تخلیق کار خواتین شفیقہ فرحت، ڈاکٹر بانو سرتاج، ثریا صولت حسین، سلمٰی نسرین کی نگارشات بالترتیب بعد سبک دوشی، تیرا ممنون ہوں، یور آنر، مبارک باد پیش کی گئی ہیں۔ دوسرے حصہ میں ’مرد میداں: طنزیہ و مزاحیہ مضامین اور خاکے‘ کے عنوان کے تحت تقریباً 15 سے زائد مزاحیہ مضامین اور خاکے پیش کیے گئے ہیں۔ باب دوم ’یاران بے پیالہ‘ تقریباً بیس نگارشات پر مشتمل ہے۔ باب سوم ’فردوس گوش‘ کے عنوان سے ہے۔ اس میں ودربھ کی مزاحیہ شاعری پیش کی گئی ہے اور تقریباً پینتیس شعرا کا کلام اس باب میں پیش کیا گیا ہے۔

مجموعہ اپنے موضوع اور مشمولات کے اعتبار سے حسین انتخابات کا نمونہ پیش کرتا ہے، تاہم کوئی بھی مجموعہ تحریر اور شخصیات کے احاطے کے اعتبار سے مکمل نہیں ہو سکتا اور کوشش و احتیاط کے باوجود کچھ شخصیات شامل ہونے سے رہ جاتی ہیں، جس کے حصے میں صبر اور انتظار آتا ہے۔ امید ہے کہ اس مجموعہ کو اہل ذوق کے درمیان پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا اور مہاراشٹر ہی نہیں، دیگر ریاستوں کے علاقوں پر بھی اسی طرح کے مجموعے شائع کیے جائیں گے، کیونکہ اس طرح کے مجموعے سے کسی خاص علاقے کی ادبی زرخیزی کا اندازہ ہوتا ہے اور اس علاقے کے لوگوں کی ادبی خدمات پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ ■

منتخب غزل

مجیب [illegible]

شمع غم سے جب ضیا لی جائے گی
صبح ہوگی رات کالی جائے گی

وہ امانت جو کہ تم نے سونپ دی
کس طرح مجھ سے سنبھالی جائے گی

دور ہوگا ایک دن دیوانہ پن
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

جان دینی ہی پڑے گی عشق میں
بات ان کی کیسے ٹالی جائے گی

عزم ہے کمزور فرسودہ خیال
کیسے اپنی خستہ حالی جائے گی

آپ اپنا درد رکھیے اپنے پاس
یہ مصیبت اب نہ پالی جائے گی

پھر بڑھے گا ربط ان سے اے مجیبؔ
دل کی حسرت پھر نکالی جائے گی

صدر انجمن افکار ادب، سمریاواں بازار
سنت کبیر نگر (یوپی)

دو غزلیں

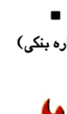

نصرتؔ عتیق گورکھپوری

زندگی اس طرح گزاری ہے
ایک پل اک صدی پہ بھاری ہے

راکھ کو دیکھ کر ہوا محسوس
آگ میں کتنی پردہ داری ہے

روح پر اس کا بس نہیں چلتا
موت تو جسم کی شکاری ہے

کوئی نشہ اثر نہیں کرتا
عشق میں یہ عجب خماری ہے

وہ ہے رب جانتا ہے سب نصرتؔ
اس سے پھر کیسی ہوشیاری ہے

1012/A, Azmi Manzil
Turkamanpur, Post Geeta Press
Dist.Gorakhpur-273005

○○

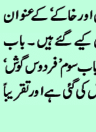

م سرورؔ پنڈولوی

سستی ملی ہو چاہے وہ مہنگی خرید لی
جو چیز بھی لگی انہیں اچھی خرید لی

ہم نے خریدی چیز کہاں کام کی کوئی
جب بال اڑ گئے ہیں تو کنگھی خرید لی

آبا کی جو کتابیں تھیں نایاب، بیچ کر
گھر کو سجانے کے لیے ردی خرید لی

مزدوری جس میں باپ نے کی تھی تمام عمر
بچے بڑے ہوئے تو حویلی خرید لی

سونے اگلتے کھیت وہ گاؤں کے بیچ کر
سرورؔ نے بھی تو شہر کی مٹی خرید لی!

Rose Study Circle, Station Road
Pandual, Madhubani-847234

○○

ناولٹ 2

...کہ سکون قلب کی چاہ میں

> ابھی تک آپ نے پڑھا۔ روشن آرا کو چچازاد وجاہت حسین کی آمد کا انتظار ہے، کیونکہ وہ اس کے تاریک ماضی کا ایک روشن باب ہے۔ ویسے اس کی زندگی میں اور بھی اچھے لوگ تھے، مثلاً: اس کی اپنی ماں، اس کے تایا ابا، چودھری وجاہت علی اور چھوٹی اماں مگر بیٹے کی چاہت میں اس کے والد چودھری حنان نے چار بیٹیوں کا قتل کر دیا، اس کی ماں بھی اس شخص کے ظلم کی نذر ہو گئی۔

نصرت شمسی

کوئی نہیں بچا تھا اس حویلی میں اس کا۔ چار بہنوں کو وہ کھو چکی تھی اور ساتھ میں اپنی اماں کو بھی۔ باپ کی شکل اس دن کے بعد اس نے دیکھی نہیں تھی یا شاید وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ تو اب چھوٹی اماں کے کمرے سے بھی نہیں نکلتی تھی۔ بہت دنوں تک اس نے اسکول کی بھی شکل نہیں دیکھی۔ ابھی تو وہ دوسری جماعت میں ہی تھی۔ ہاں! مگر وجاہت حسین برابر اس کا خیال رکھتا تھا۔ اس کی چھوٹی اماں کا بیٹا، اس کا چچازاد۔ اس کے اسی مشفق سے چچا کا بیٹا وجاہت حسین، اسی نے اسے دوبارہ جینا سکھایا تھا۔ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف اسے وہی لایا تھا۔ کبھی زبردستی اس کے ساتھ کھیلتا، کبھی لڑتا، کبھی کتابوں اور کہانیوں میں اسے الجھا دیتا اور کبھی رنگ برنگی تصویریں بناتا۔ تصویریں بنانا اس کا شوق تھا۔ جو چیز اس کے ہاتھ آتی، اس پر تصویر بنانے بیٹھ جاتا۔ کبھی ریت پر انگلیاں پھیر کر تصویر بناتا تو کبھی دیوار پر، اس کی ان کوششوں سے روشن آرا نے پھر سے جینا سیکھ ہی لیا تھا۔

☆☆☆

چھوٹی اماں اب اسے اس کے کمرے کی طرف جانے ہی نہیں دیتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ابا کی غیر موجودگی میں وہ اپنے کمرے سے وجاہت کے ساتھ جا کر اپنا سب سامان لے آئی۔ اس کا اپنے ظالم باپ سے جیسے ناطہ ہی ٹوٹ گیا۔ وہ ہمیشہ وجاہت حسین اور چھوٹی اماں کے ساتھ رہتی۔ اکثر چھوٹے ابا اسے باہر لے جاتے، اس کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کرتے اور جب وہ بہت اداس ہوتی تو اسے گلے سے لگا کر تسلی بھی دیتے مگر قدرت کو شاید یہ بھی منظور نہیں تھا۔ ایک دن اس کے چھوٹے ابا کی خون میں لت پت لاش گھر آئی۔ کسی نے ان کا خون کر دیا تھا۔ ان کی رحم دلی ہی شاید ان کی موت کا سبب بنی۔ حویلی میں دبی دبی سرگوشیاں تھیں کہ چودھری حنان نے اپنے بھائی تک کو نہ بخشا۔ وجاہت نے اس دن پہلی بار اپنے تایا ابا کو نفرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ نظر آج بھی اسے یاد تھی۔ پھر وہ تنہائی میں اس کے گلے لگ کر بہت رویا تھا۔ شاید یہ اس کی بے بسی کے آنسو تھے۔

کچھ عرصے بعد یہ قصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کی چھوٹی اماں اب بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھیں اور بہت کم کمرے سے نکلا کرتی تھیں۔ ان کا سفید لباس ہمیشہ اسے اپنی اماں کے سفید کفن کی یاد دلاتا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ اس کی اماں کی لاش ہے جو بس چل پھر رہی ہے مگر ہر احساس سے دور...

☆☆☆

حویلی میں اب اس کے دادا ابا تھے جن کی گود میں بیٹھنا تک اسے یاد نہیں۔ اس کی کمزور سی دادی تھیں جو صاحب فراش تھیں۔ ایک اس کے ظالم ابا اور اس کی مشفق سی چھوٹی اماں اور اس کا ساتھی وجاہت حسین، دن بھر حویلی کی بیٹھک میں میلہ سا لگا رہتا۔ لوگ آتے رہتے کھانے پکتے رہتے اور دسترخوان اٹھائے اور بچھائے جاتے رہتے۔ اس کی چھوٹی اماں کا زیادہ تر وقت باورچی خانہ میں ملازماؤں کو ہدایات دینے اور کھانے کی تیاری میں ہی گزر جاتا۔ وہ بھی اکثر ان کا قرب حاصل کرنے کی چاہت میں ان کے ساتھ ہی باورچی خانے میں رہا کرتی اور ان کے نازک نازک گورے گورے ہاتھوں کی حرکت دیکھتی رہتی۔

اب وہ چوتھی جماعت پاس کر کے پانچویں میں آ گئی تھی۔ وجاہت آٹھویں جماعت میں تھا مگر اس کا دل پڑھائی سے زیادہ مصوری میں لگتا تھا۔ اس کے کمرے میں چاروں طرف مختلف قسم کی تصویریں تھیں۔ اپنی کوشش کے سبب وہ اچھا مصور بنتا جا رہا تھا۔ وہ جب بھی اس سے کسی تصویر بنانے کی خواہش ظاہر کرتی، وہ جھٹ سے بنا دیتا۔ وہ اس کی اس ادا پر بہت خوش ہوا کرتی۔ زندگی میں اب کچھ ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ اب اسے اکثر وہ دردناک واقعہ یاد نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنا دل پڑھائی کی طرف لگا لیا تھا۔ اسے کتابوں سے بہت شوق تھا۔ وہ پڑھنا چاہتی تھی۔ کیوں؟ یہ اسے خود بھی پتہ نہیں تھا مگر اکثر اخبارات میں لڑکیوں کی اچھی اچھی تصویریں دیکھ کر اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں پڑھ کر اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ شاید پڑھائی ہی ہر مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے یا وہ ان کتابوں میں ضم ہو کر اپنا غم بھول جایا کرتی تھی۔

اچانک ہی ماضی کی کچھ دردناک تصویریں اس کے ذہن میں ابھریں۔ اف! روشن آرا نے پھر ایک بار اپنی آنکھیں خوف سے بند کر لیں اور کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ وہی تاریکی، وہی سناٹا، وہ شاید خود کو ماضی کی گرفت سے آزاد کرانا چاہتی تھی مگر ماضی کی قید بڑی زبردست چیز ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا؟ اس کے بڑے ابا غصہ میں حویلی میں گھوم رہے تھے کسی کی تلاش تھی، یہ وہ سمجھ نہ سکی۔ دادا ابا نے انہیں روکنے کی کوشش بھی کی مگر ان کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ ان کے ماتھے کی رگ پھولی ہوئی تھی اور آنکھیں جیسے خون اگل رہی تھیں۔ اس وقت ان کے سامنے جو بھی آتا، وہ قتل ہو جاتا۔ روشن آرا اپنی کتابیں ہاتھ میں لیے وجاہت کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اچانک ہی ان کی نظر اس پر پڑیں اور وہ بے تحاشہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔

’ناہنجار! تو ابھی تک زندہ ہے؟.. تو کیوں نہ مر گئی۔ چل آج تیرا بھی کام تمام کیے دیتا ہوں۔‘

روشن آرا نے جو باپ کو اسی ظالمانہ انداز میں دیکھا تو اسے سکتہ سا ہو گیا۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے سیڑھیوں پر گرتی چلی گئیں اور اسی کے سبب اس کے ظالم باپ کو اس تک پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ چھوٹی اماں، وجاہت سب کہاں تھے، اسے کچھ خبر نہ تھی۔ وہ تو بس مرنے کو تیار تھی، تبھی کسی نے اس کا ہاتھ بہت زور سے کھینچا اور اسے لے کر دوڑتا چلا گیا۔ دالان، آنگن اور راہداری پار کرتا وہ بس اسے لیے دوڑے جا رہا تھا اور وہ خوف سے گردن پیچھے کیے اپنے ابا کے قدموں کو تکے جا رہی تھی جو لحہ لحہ اس کے قریب تر ہوتے چلے جا رہے تھے مگر اس کی گرفت بھی بہت مضبوط تھی اور وہ اس کے ساتھ بھاگی جا رہی تھی۔ اس کی چپلوں نے کہاں ساتھ چھوڑا، اسے پتہ نہیں۔ اس کا دوپٹہ کسی پیڑ سے الجھ کر گر گیا تھا جسے اٹھانے کا بھی موقع اسے نہیں ملا۔ ایک رفتار تھی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ راہ کی تمام چیزیں اس کے پیر لہولہان کر چکی تھیں۔ اس کی گردن تو پیچھے آتے ابا کو تکتے تکتے تھک چکی تھی۔ تبھی اسے لگا، اس کے ابا کا چہرہ دھندلا دکھائی دے رہا ہے۔ تو کیا وہ انہیں پیچھے چھوڑ آئی..؟ ہاں! یقیناً وہ بہت آگے نکل گئی تھی مگر کس کے ساتھ؟ یہ ابھی تک اسے پتہ نہیں تھا۔ اسی وقت اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر گئی۔ اس کا ماتھا پتھر سے ٹکرایا اور ایک خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ (**جاری**)